والرقائق امام ابن جارک اور سنن سعید بن منصور کو مرتب کیا ہے۔ نیز مصنف عبد الرزاق صنعانی جیسے گراں قدر اور نایاب ذخیرہ احادیث کو مرتب کر لیا ہے۔ مولانا مفتی مہدی حسن صاحب نے کتاب الحجہ کے تعلیق و تحشیہ میں حنفیت کی بہترین ترجمانی کی ہے۔ البتہ بعض مقامات پر لب ولہجہ تیز ہو گیا ہے خصوصاً امام ابن حزم کے بارے میں ان ہی کی زبان عموماً استعمال کی گئی ہے جو انھوں نے المحلی میں آئمہ اسلام کی شان میں استعمال کی ہے۔ یہ درست ہے کہ حجاج بن یوسف کی تلوار اور ابن حزم کا قلم دونوں یکساں برّش رکھتے ہیں۔ مگر یہ کیا ضروری ہے کہ ان کا لب ولہجہ اختیار کیا جائے۔

یہ کتاب جہاں حدیث و فقہ کی جامعیت میں دقّت نظر اور بصیرت پیدا کرتی ہے، وہیں اس سے دوسری صدی ہجری کے علمی و فقہی مدونات میں سے ایک عظیم اور مستند کتاب ظہور میں آگئی ہے۔ ضرورت ہے کہ ارباب علم و نظر اس سے مستفید ہوں۔ کتاب بہترین عربی ٹائپ میں عمدہ کاغذ کے ۸۱۶ صفحات پر چھپی ہے۔ قیمت ۳۵ روپے ہے۔ لجنۃ احیاء المعارف النعمانیہ ۴۶۵ جلال کوچہ حیدر آباد ۲ سے طلب کی جا سکتی ہے۔

"صدق جدید" لکھنؤ۔ ۱۰ر مئی ۱۹۶۸ء

افکار اقبالؒ سے بے اعتنائی

چھٹے خطبے "الاجتہاد فی الاسلام" میں علامہ اقبال نے بڑے فکر انگیز نکتے اٹھائے ہیں اور بڑی اخلاقی جراءت سے کام لیا ہے۔ اس خطبہ کا اصل عنوان یہ ہے 'اسلام کی ترکیب میں حرکت کا اصول' وہ کہتے ہیں کہ دنیائے قدیم کے نظریے کے برعکس اسلام کائنات کو متحرک قرار دیتا ہے۔ مدنیت کی سطح پر اسلام نے اپنی توجہ صرف ذاتی قدر و قیمت پر رکھی۔ رنگ و خون کا رشتہ زمین ہیوستگی کا رشتہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اتحاد انسانی کے لئے کسی خالص نفسیاتی اساس کی جستجو جب ہی کامیاب ہو سکتی ہے جب اس حقیقت کا ادراک ہو جائے کہ نوع انسانی ایک ہے اور اس کی زندگی کا مبداء اصلاً روحانی ہے۔ حرکت کی رُو سے اللہ تعالیٰ کی اس آیت پر ایمان مستحکم ہوتا ہے کہ تغیر و تبدیلی کے جلو میں ارتقاء کا عمل جاری رہتا ہے۔ ذات الٰہیہ زندگی کی روحانی اساس ہے جو قائم و دائم ہے اور یہ ہر تغیر اور ہر تبدیلی میں جلوہ گر ہوتی ہے۔ اس طرح علامہ یہ نتیجہ نکالتے

ہیں کہ ثبات اور تغیر دونوں خصوصیتوں کو ملحوظ رکھنے ہی سے ایک خوشگوار حیات اجتماعی قائم ہو سکتی ہے۔

اس تمہید کے بعد علامہ نے بتایا ہے کہ اجتہاد کیا ہے اور پھر یہ کہا ہے کہ نظری طور پر سنّی اسلام نے اجتہاد کی ضرورت سے کبھی انکار نہیں کیا، گو جب سے مذاہب اربعہ قائم ہو چکے ہیں عملاً اس کی کبھی اجازت بھی نہیں دی۔ انھوں نے اس پر بڑے تعجب کا اظہار کیا ہے کہ جو نظامِ قانون قرآن مجید جیسی کتاب کو اپنی اساس قرار دیتا ہے جو زندگی کو متحرک اور متغیر مانتا ہے، وہ کس طرح جمود و تعطل کا شکار ہو گیا۔ انھوں نے مغرب کے اہل قلم کی سطحی قیاس آرائیوں کی نفی کرتے ہوئے خود اس کے اسباب پر روشنی ڈالی ہے اور اس سلسلہ میں بڑے پتہ کی باتیں کہی ہیں۔ تفصیل کی تو گنجائش نہیں، البتہ اس خطبے کے چند بلیغ ٹکڑے نقل کئے جاتے ہیں۔

بغداد کی تباہی (۱۲۵۸ء) کے بعد قدامت پسند مسلم مفکر چاہتے تھے جیسے بھی ممکن ہو اسلام کی ہیئت اجتماعیہ محفوظ رہے اور یہ وہ بات ہے جس میں وہ ایک حد تک حق بجانب بھی تھے، یہ اس لئے کہ قوائے انحطاط کا سدّباب نظم و ربط ہی سے ہوتا ہے، لیکن وہ نہیں سمجھے اور ہمارے زمانے کے علماء نہیں سمجھتے تو یہ کہ قوموں کی ہستی کا دار و مدار اس امر پر نہیں کہ ان کا وجود کہاں تک منظم ہے بلکہ اس بات پر ہے کہ افراد کی ذاتی خوبیاں کیا ہیں، قدرت اور صلاحیت کیا! یوں بھی جب معاشرہ حد سے زیادہ منظم ہو جائے تو اس میں فرد کی ہستی سرے سے فنا ہو جاتی ہے —— یوں بھی ماضی کا غلط احترام، علیٰ ہذا ضرورت سے زیادہ تنظیم کا وہ رجحان جس کا اظہار تیرھویں صدی اور بعد کے فقہاء کی کوششوں سے ہوتا ہے، اسلام کی اندرونی روح کے منافی تھا اور یہی وجہ ہے کہ ابن تیمیہ کی ذات میں . . . . اس روش کے خلاف ایک زبردست ردّعمل رونما ہوا۔

بدقسمتی سے اس ملک (غیر منقسم ہندوستان) کے قدامت پسند مسلم عوام کو ابھی یہ گوارا نہیں کہ فقہ اسلامی کی بحث میں کوئی تنقیدی نقطۂ نظر اختیار کیا جائے، وہ بات بات پر خفا ہو جاتے اور ذرا سی تحریک پر بھی فرقہ وارانہ نزاعات کا دروازہ کھول دیتے ہیں۔

—— لیکن پھر اس سلسلے میں غور طلب امر قرآن مجید کا وہ مطمحِ نظر ہے جو اس نے زندگی کے بارے میں قائم کیا اور جس میں اس کی نگاہیں جمود کے بجائے حرکت پر رہیں، لہٰذا ظاہر ہے کہ جس کتاب کا مطمحِ نظر ایسا ہو گا اس کی روش ارتقاء کے خلاف کیسے ہو سکتی ہے؟ البتہ ہمیں نہیں بھولنا چاہیئے تو یہ کہ زندگی محض تغیر ہی نہیں اس میں حفظ و ثبات کا ایک عنصر بھی موجود ہے . . .

مگر پھر اس بات کو ہم دوسرے لفظوں میں یوں ادا کریں گے کہ زندگی چونکہ ماضی کا بوجھ اٹھائے آگے بڑھتی ہے، اس لئے ہمیں چاہئے جماعت میں تغیر و تبدل کا جو نقشہ ہم نے قائم کیا ہے، اس میں قدامت پسندانہ قوتوں کی قدر و قیمت اور وظائف فراموش نہ کریں، تعلیمات قرآنی کی یہی وہ جامعیت ہے جس کا لحاظ رکھتے ہوئے جدید عقلیت کو اپنے ادارات کا جائزہ لینا ہوگا۔

علامہ اقبال کی فکری کاوشوں کا ایک بڑا المیہ یہ ہے کہ ہم ان کے اشعار پر تو سر دھنتے ہیں لیکن ان کے افکار کو درخور اعتنا نہیں سمجھتے، اس سے بڑی مظلومیت اور کیا ہو سکتی ہے۔ ہمارے انگریزی داں اور علماء دونوں اس میں شریک ہیں۔ طبقہ علماء یہ کہہ سکتا ہے کہ خطبات انگریزی میں تھے اس لئے ہماری رسائی ان تک نہیں ہوئی، حالانکہ یہ عذر لنگ ہوگا، پھر بھی اردو ترجمہ کو شائع ہوئے کوئی ۹ سال کا عرصہ ہوا، کیا یہ ترجمہ ہندوستان کے علماء میں متداول ہوا۔ اگر ہوا تو انھوں نے اس کا کیا اثر لیا؟ علامہ کے اشعار ہر طبقہ میں مقبول ہوئے، بہت گائے گئے، بہت گنگنائے گئے اور ہر گروہ نے اپنے مطلب کی باتیں ان سے نکال لیں، لیکن فکر و فلسفہ، زندگی، کائنات اور منشائے تخلیق سے متعلق وہ آفاقی نظریہ جو ان کے سینکڑوں اشعار اور ان کے خطبات کی روح ہے، کتنے لوگوں نے اپنایا؟ ایسے تمام لوگوں سے علامہ کی شکایت اپنے پیر رومی کی زبان میں یہی ہے:

ہر کسے، از ظنِ خود، شد یارِ من
در درونم، کس نجست اسرارِ من

ماہنامہ "جامعہ" دہلی بابت جنوری ۱۹۶۸ء

طابع: ظہیر الدین — مطبع: استقلال پریس لاہور
ناشر: ڈاکٹر فضل الرحمٰن، ادارۂ تحقیقات اسلامی، اسلام آباد۔